ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 4, (Oct to Dec 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-IV)urdu-26

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

ڈاکٹر شازیہ ساجد
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، کنیئرڈ کالج برائے خواتین، لاہور
ڈاکٹر فائزہ بٹ
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، کنیئرڈ کالج برائے خواتین، لاہور

غالب: روحِ عصر کا نمائندہ

Dr. Shazia Sajid*
Assistant Professor, Department of Urdu, Kinnaird College for Women, Lahore.
Dr. Faiza Butt
Assistant Professor, Department of Urdu, Kinnaird College for Women, Lahore.

***Corresponding Author:** shazia.sajid@kinnaird.edu.pk

Ghalib: A Representative of His Era

Mirza Ghalib is a renowed poet in Urdu Lierature, celeberated for his distinctive ideology of life. He transcends temporal boundaries by considering the past, present, and future as an interconnected continuum. His poetry beautifully interwines the richness of tradition with the evolving essence of the present. This article delves into how Ghalib's poetic oeuvre encapsulates the prevailing life ideology of his era, offering a profound representation of the cultural tapestry, political tension, religious convictions, and economic nuances. By shedding light on the multifaceted dimensions of his work, this article provides a deeper understanding of its significance in portraying the conditions and ethos of his time.

Key Words: *Ghalib, Urdu literature, poetry, ideology, representative.*

موجودہ دور میں انسانی زندگی کے ہر پہلو کو تکنیکی اوزان و پیمان سے پرکھنے کا رجحان عام ہے۔ اس کے باوجود اکثر محققین اس بیان پر متفق نظر آتے ہیں کہ تخلیقی ادب کی تاریخ اور سماجی حیثیت مسلم ہے۔ ادبی تخلیق

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 4, (Oct to Dec 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-IV)urdu-26

ماخذ تحقیقی مجلہ

انفرادی عمل ہونے کے ساتھ ساتھ اجتماعی معاشرے کا بیان بھی ہو سکتی ہے۔ فرد واحد اپنے تخلیق وجدان سے روح عصر کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنی قوم کی تہذیب و معاشرت، اعتقادات، اخلاقیات، معاشیات اور سیاسیات کو اپنی تخلیق کے اندر سمونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اپنی اسی خوبی کی بناء پر اُس کی ادبی تخلیق آفاقیت کی حامل ہو سکتی ہے۔ اعلیٰ معیار کی حامل وہی ادبی تخلیقات ہوتی ہیں جو اپنے عہد کو سمو کر بھی زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہوں۔

ایک ادیب اپنی قوم اور تہذیب کے تصورات، سیاسی کشمکش، مذہبی اعتقادات اور معاشی روابط کو ایک تہذیبی و تاریخی قدر میں تبدیل کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر زبانوں کے تخلیقی ادب خصوصاً انگریزی ادب میں تنقید اور تحقیق کی روایت میں اس عمل کو ضروری سمجھا جاتا ہے کہ ادب کو معاشرے میں وقوع پذیر ان تمام عوامل کی روشنی میں پرکھا جائے جو منتخب فن پارے کے تخلیقی عہد میں ادیب یا شاعر کو درپیش رہے۔ اگرچہ "فن پارہ" بذات خود اپنے عہد کی نمائندگی کرتا ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی دور کے تمام فن کاروں کے تمام تخلیقی پاروں پر اس کا اطلاق ہو سکے۔ کیونکہ ہر فنکار حسبِ استطاعت گرد و پیش سے انجذاب کرتا ہے۔ شخصیت کے عناصر اس انجذاب کے ساتھ مل کر اظہار کو جنم دیتے ہیں۔ وہ ناقدین جو "روح عصر" کے متعلق شکوک و شبہات کا اظہار کرتے ہیں وہ مثال کے طور پر ایسے فنکاروں کی تخلیقات کو پیش کرتے ہیں جو اپنی تخلیق میں اپنے عہد کی تصویر پیش کرنے سے گریزاں رہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بظاہر گریزاں دکھائی دینے والے ادیب بھی کسی نہ کسی انداز میں اپنی ادبی تخلیقات میں عصری خصوصیات کو بیان کرتے ہیں۔ ہر عہد اپنی ایک مخصوص روح کا حامل ہوتا ہے۔ اگرچہ ایک ہی عہد میں متضاد تصورات، عقائد اور قدریں بھی ملتی ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ شاہی ایوانوں کے تصورات، عقائد اور رسوم عوام پر منطبق ہوں۔ "روحِ عصر" کی تعریف کرتے ہوئے ڈاکٹر شارب ردولوی کہتے ہیں:

> کسی عہد کے تقاضوں کی بنیادی کشاکش، مذہبی تصورات و تاثرات، معاشی حالات اور طبقاتی کشمکش کے اثرات کا نام "روح عصر" ہے۔[1]

شوکنگ (Schuking) جو رُوح عصر کو مبہم اور غیر اہم شے سمجھتا ہے۔ وہ بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ دنیا کے اقدار و نظریات اور زندگی کے عمل کے اصول ہی "روح عصر" کی تشکیل کرتے ہیں۔

اس بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک عہد میں افرادِ معاشرہ کی اکثریت کے مروہ رُجحانات اس عہد کی روح کی تشکیل کرتے ہیں۔ فرانسیسی مؤرخ اور نقاد (Taine) کے مطابق نسل، ماحول اور زمانہ فنکار کی

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 4, (Oct to Dec 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-IV)urdu-26

ماخذ تحقیقی مجلہ

صلاحیتوں کے مآخذ ہوتے ہیں۔یونگ کا اجتماعی لاشعور کا نظریہ اسی نظریے کے مزید توضیح کرتا ہے ،جس میں رُوحِ عصر زمان و مکان کی قیود سے آزاد دکھائی دیتی ہے۔ان دونوں نظریات کے باعث ادبی تخلیق محض " عفریت" کی تابع نظر آتی ہے۔فلابیر اس میں " صلاحیت" کا اضافہ کرتا ہے۔اس طرح ادیب کی انفرادی شخصیت بھی ادبی تخلیق میں داخل ہو جاتی ہے۔یوں تخلیق آفاقیت حاصل کر لیتی ہے اور محض اپنے عہد تک محدود نہیں رہتی بلکہ فرد اور معاشرے کا اجتماعی بیان بن جاتی ہے۔

فلابیر کی اصطلاح " صلاحیت" کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہمیں اس حقیقت کی تلاش کرنا ہے کہ ہر فن کار یا ادیب میں یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے، جبکہ وہ اپنے فن میں " روحِ عصر" کو سمو سکے۔اس سوال کا سادہ سا جواب تو یہ ہے کہ ہر فن کار کے اندر یہ صلاحیت محدود ہو سکتی ہے مگر اس کا مفقود ہونا ممکن نہیں۔ادیب کی صلاحیت کا معیار ہی اسے دوسروں سے منفرد بناتا ہے۔اسی انفرادیت کے اظہار کو وہ اپنے فن میں بھی برقرار رکھتا ہے۔ماضی، حال اور مستقبل میں ربط قائم رکھتے ہوئے ایسی تخلیق کا پیش کرنا جو گوناگوں خصوصیات کی حامل ہو۔کم کم ادیبوں کے حصے میں آتا ہے۔اس انفرادیت کو معیار اور مقام حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں عصری شعور کی مناسب آمیزش ضرور ہو۔

دراصل عصری شعور فن کار کے ذاتی تجربات سے خام مواد حاصل کرتا ہے۔اس کا فہم و ادراک اسے وسیع تناظر میں پرکھنے کا موقع دیتا ہے۔اس کے بعد فنکار کا لسانی شعور و صلاحیت لفظوں کی مناسب تنظیم کر کے اسے تخلیقی ادب پارے میں ڈھال دیتا ہے۔وہ عصری شعور جو ابھی تک ایک انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔اس کو آفاقیت کا معیار دینے کے لئے ضروری ہے کہ تخلیق کار ان تینوں مراحل کو عبور کرنے کی زبردست صلاحیت رکھتا ہو۔گرد و پیش میں حوادث یک بیک رونما نہیں ہوتے بلکہ اسی طرح جیسے بیج سے کونپل پھوٹتی ہے تو لگتا ہے کہ یہ اس کی نمو کا پہلا مرحلہ ہے ، جبکہ زمین کے اندر بیج سے کونپل ہونے تک اس پر نمو کے کئی دیگر مراحل گزر چکے ہوتے ہیں۔ زمین و آسمان حوادث و واقعات کو اندر ہی اندر پروان چڑھاتے ہیں اور پھر وہ وقت مقررہ پر رونما ہوتے ہیں۔ان حوادث کو پیش آنے سے قبل، پیش آنے کے بعد اور ان کے اثرات تک بنظرِ غائر برتنا عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔یہ اہلیت رکھنے والے لوگ تو زمین کی پرت میں ہونے والی تبدیلیوں کو بھی بھانپ سکتے ہیں اور ہوا کے چلن سے آنے والے موسموں کی خبر دینے کے بھی اہل ہوتے ہیں۔سجاد ظہیر اس حالت پر روشنی ڈالتے ہیں:

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 4, (Oct to Dec 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-IV)urdu-26

ماخذ تحقیقی مجلہ

ایک کامیاب فن کار حقائق اور واقعات، مختلف انسانی رشتوں کے عمل اور ردِ عمل کی کیفیتوں، سماجی زندگی سے پیدا ہونے والے بہترین تصورات اور نظریوں کا مشاہدہ کر کے اور انہیں سمجھ کر اپنے دل و دماغ میں جذب کر لیتا ہے۔ یہ سچائیاں اس کے جذبات کا اسی قدر حصہ بن جاتی ہیں جتنا کہ اس کے ذہن کا۔ پھر اپنے جوش، جذبے، تخیل، بصیرت اور فنی مہارت کو کام میں لا کر وہ فن پارے کی تخلیق کرتا ہے اسی طرح ایک نئی خوش نما اور نشاط انگیز شے وجود میں آتی ہے۔[۲]

ان تمام حقائق سے آگاہی کے بعد ہی جدید تاریخی مطالعے کی بنیادیں وضع کی گئی ہیں۔ ان کے تحت کسی بھی عہد کا تاریخی مطالعہ اس دور کے تخلیقی ادب کے تفصیلی مطالعے کے بغیر نامکمل ہے۔ عہدِ جدید میں معاشرے کے اجتماعی وجود سے زیادہ فرد کی انفرادی حیثیت کو اہمیت دیئے جانے کے باعث تاریخ میں علمِ سماجیات، علم بشریات اور انسانی نفسیات کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرد کی زندگی کے ان پہلوئوں کے احاطہ کے لئے ادب کی طرف رجوع کیا جارہا ہے۔ اب یہ واضح ہو چکا ہے کہ ادب عصری میلانات، سماجی تقاضوں اور اپنے گرد و پیش کے ماحول سے کترا کر تخلیق کا فریضہ سرانجام نہیں دے سکتا مگر جس طرح شخصی وحدانیت کے تحت ہر فرد ایک ہی ماحول میں بسنے والے دیگر افراد سے منفرد انداز میں زندگی کو برتتا ہے، اسی طرح ہر تخلیقی ذہن کی آبیاری سے نمو پانے والی تخلیق دوسرے کسی ذہن کی تخلیقیت سے الگ ہوتی ہے۔ انفرادیت میں مماثلت کا عنصر بھی ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات کوئی ادیب مماثلت کے عنصر کو کم سے کم برتتے ہوئے اپنی انفرادیت کو نمایاں تر کر جاتا ہے۔

انیسویں صدی کی اردو شاعری میں انفرادیت کے لئے مرزا اسد اللہ خاں غالب کی مثال دی جاتی ہے۔ ان کی شخصیت اور فن کی ان گنت جہات پر تنقید و تحقیق کی مشقیں ڈیڑھ سو سال سے زائد کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی جاری و ساری ہیں۔ غالب کے فن کو نئے زاویوں اور عہد جدید کے تقاضوں کی روشنی میں پرکھا جارہا ہے۔ اس کا فن نظم و نثر زندگی کی بوقلمونیوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ جس کے اندر اس کا عہد سانس لے رہا ہے۔ یہی فن روح عصر کا نمائندہ بھی ہے اور اس کی شخصی زندگی کا اظہار بھی۔

کسی تخلیق کار، خصوصاً کسی شاعر کے فن میں اس کے عہد کو کھوجنے سے پہلے اس حقیقت کو ازبر کر لینا ضروری ہے کہ اگرچہ داخلی کیفیات بھی خارجی عوامل اور حقائق سے اثرات قبول کرتی ہیں اور شاعری میں ان داخلی کیفیات کو انہی اثرات کے تحت پیش کیا جاتا ہے، مگر عین اس محرک یا محرکات کو شعر میں سے پہچان کر الگ کرنا کسی

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 4, (Oct to Dec 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-IV)urdu-26

ماخذ تحقیقی مجلہ

حد تک ناممکن ہوتا ہے جب تک کہ شاعر نے اس کے لئے واضح اشارہ نہ دیا ہو۔ ان محرکات کو صرف شاعر کے خیال کی تکرار میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ جن خیالات کو شاعر نے بار بار پیش کیا یقیناً انہوں نے شاعر کے شعور کی تشکیل میں خارج سے مواد حاصل کیا ہو گا۔

غالب کا سفر حیات آغاز سے انجام تک ایک ڈرامائی کیفیت رکھتا ہے۔ جس میں ہر لمحہ بدلتے مناظر و واقعات نے ان کی زندگی کو کہانی بنا دیا۔ والد اور اس کے بعد چچا کی وفات کے بعد حالات کا یکسر بدل جانا۔ ان کی والدہ کا (مع غالب کے) میکے میں قیام پذیر ہو جانا۔ یہ سب ایک ننھے ذہن کے ارتقائی سفر پر پڑنے والے ابتدائی نقوش تھے۔ نانا کے ہاں چند سال عشرت سے گزارے (یہی عشرت بعد میں ان کے لئے سہانا خواب بن گئی اور باقی تمام عمر ان کی تلاش میں سرگرداں رہے)۔ تیرہ برس کی عمر میں ایک معزز گھرانے میں شادی۔ ان کی زندگی میں رونما ہونے والی ایک اور بڑی تبدیلی، جس کو ایک طویل عرصے تک وہ ذہنی و دلی طور پر قبول نہ کر سکے۔ ابتداء میں محض دنیاداری اور بعد میں اپنی بلند کردار، نیک سیرت زوجہ کے باعث اس تعلق کو نبھاتے رہے۔ پنشن کی بندش، معاشی بدحالی، اولاد کا پیدا ہونا اور زندہ نہ رہنا۔ زندگی کے صفحات میں ایک اور المیے کا اضافہ۔ یہ تو ان کی گھریلو زندگی کے مناظر تھے۔ گھر سے باہر معاشرتی زندگی کے حالات بھی کبھی غالب کے موافق نہ رہے ان کی اکہتر سالہ زندگی باشندگان ہند کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی زوال کا زمانہ تھا۔ جنوب سے آنے والے مرہٹوں، مغرب سے آنے والے سکھوں اور مشرق سے آنے والے انگریز نے آہستہ آہستہ عظیم الشان مغلیہ سلطنت اور مغلیہ خاندان کے دور حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اس سیاسی انحطاط کے دور میں جہاں معاشرتی اور سماجی اقدار بھی زوال پذیر ہو چکی تھیں۔ وہاں افراد معاشرہ قدیم و جدید اور مشرق و مغرب کی کش مکش میں گرفتار دکھائی دیتے ہیں۔

مری ہستی فضائے حیرت آباد تمنا ہے
جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا عنقا ہے

اس دور میں غالب کے علاوہ بھی بہت سی اہم ادبی شخصیات منظر پر موجود رہیں اور اردو زبان کا ادبی میدان معرکوں سے مزین رہا۔ کسی تخلیق کار نے معاشرے کی حالت زار کو اپنے ذاتی غم میں سمو کر اسے آفاقیت دے دی تو کسی فن کار نے اپنے فن میں امید و نشاط کو زندگی دیئے رکھی۔ کسی شاعر نے محض درباری مدح و ستائش کی خاطر گرد و پیش کے ماحول میں دب کر اپنے فن کو پیش کیا۔ جذبات و احساسات کی ترجمانی کے بجائے لفاظی کو ترجیح دی۔ اس تمام رنگا رنگی میں تخلیق کاروں کے انفرادی نظریات کی کار فرمائی بھی نظر آتی ہے، کیونکہ فن میں اس کے

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 4, (Oct to Dec 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-IV)urdu-26

ماخذ تحقیقی مجلہ

عہد کی تصویر جھلکے یا نہ جھلکے اس کے نظریات ضرور دکھائی دیتے ہیں۔ کسی بھی فرد کا نظریہ حیات دو طرح سے وجود میں آتا ہے۔ ایک تو اس کے وراثتی عقائد، مروجہ معاشرتی اور اخلاقی اقدار اس کو وضع کرتی ہیں اور دوسرے جن کو یہ وراثت کماحقہ منتقل نہیں ہو پاتی وہ اپنے ذاتی تجربات، حالات اور اعتقادات سے اپنا نظریہ حیات وضع کرتے ہیں۔ اس طرح وضع ہونے والا نظریہ حیات کسی خاص نظام فکر سے مرتب نہیں ہوتا، بلکہ اس میں ایک مربوط ارتقائی عمل دکھائی دیتا ہے۔ غالب کے ہاں بھی ان کا نظریہ حیات خود وضع کردہ ہے۔ جس میں شخصی عناصر کے ساتھ ساتھ ان کے عہد کی خصوصیات بھی موجود ہیں۔ اپنے بچپن میں ننھیال میں ذوق کے قصائد کی دھوم سنی، تو محسوس کیا کہ معاشرے میں ماضی پرستی اور تقلید کی روش جاری ہے۔ اسی ماضی پرستی کی روایت کو اپناتے ہوئے ان کی فطری انفرادیت پسندی نے عالمگیری عہد کے شعرا کا رنگ پسند کیا۔ بیدل عظیم آبادکاری کا طرز تخیل اپنایا اور لسانی سطح پر بھی تقلید کی۔ مگر اس دور کا معاشرتی اور سماجی سطح پر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ پورا معاشرہ ماضی کی گم ہوتی ہوئی تہذیب اور عظمت کی احیاء میں مصروف دکھائی دیتا ہے۔ مختلف قسم کی مذہبی، ملی اور اصلاحی تحریکیں سرگرم عمل تھیں۔ جلد ہی غالب کو اس روش سے اکتاہٹ محسوس ہوئی اور کہنے لگے۔

طرزِ بیدل میں ریختہ لکھنا
اسد اللہ خاں قیامت ہے

غالب جہاں اپنے عہد کے ساتھ چلنا چاہ رہے تھے وہیں ان کے فہم و ادراک نے انہیں نئی جہات کی تلاش میں سرگرداں کر دیا۔ وہ پرانی تہذیب کے ڈھانچے کو مسمار ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں مگر اس پر نوحہ کنائی نہیں کرتے بلکہ اس سے لذت اور توانائی حاصل کرتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ماضی سے ان کا انسلاک اپنے عہد ہی کے رویے کا ایک مظہر تھا۔ جہاں سامراجی قوتوں کے سامنے مٹی ہوئی شاہانہ عظمت اپنے وجود کی بقاء کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ ایسے میں کسی تخلیق کار کا ماضی سے یہ ربط عین فطرت کے مطابق تھا۔ قدیم و جدید تہذیبوں کے تصادم میں جدید تہذیب میدان مارتی دکھائی دے رہی تھی۔ معاشرے میں تہذیبِ نو کو اپنانے کی لچک پیدا ہو رہی تھی۔ ایسے میں غالب جیسے فن کار جو عصری حسیت اور شعور کے حامل ہوتے ہیں اس سے کنارہ کشی کیسے کر سکتے تھے۔ شیخ محمد اکرم "حکیم فرزانہ" میں لکھتے ہیں:

> قدیم تہذیبی نظام کی شکست و ریخت کا انہیں بے حد قلق تھا۔ نامساعد حالات نے ان کی کمر ہمت نہ توڑی اور وہ نئے میدان میں بھی گھوڑے دوڑانے پر تیار ہو گئے۔ اور اپنی ہمت اور

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 4, (Oct to Dec 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-IV)urdu-26

ماخذ تحقیقی مجلہ

خداداد استعداد سے اس میں بھی دوسروں کو پیچھے چھوڑ گئے۔ لیکن مرزا کے لئے فارسی کی جگہ اُردو میں شعر گوئی اور نثر نگاری میں ایک زبردست تہذیبی شکست کا اعتراف تھا۔ (قومی بھی اور شخصی بھی)۔[۳]

غالب کی فطری جدت پسندی کو پروان چڑھانے والے بھی عصری عوامل ہی تھے۔ عسکری خون کے وارث کے لئے بے باکی اور جرأت کے تمام راستے غلامی نے مسدود کر دیئے تھے۔ وہ تمام فنونِ لطیفہ جن کو مغلوں کی سرپرستی حاصل رہی آہستہ آہستہ منظر سے ہٹتے جارہے تھے۔ ادب میں بھی شاعری اور خصوصاً اردو شاعری کو فروغ حاصل ہو رہا تھا۔ اس لئے غالب جیسے فن کاروں کے لئے شخصی اظہار کا اس سے بہتر ذریعہ اور کوئی نہ تھا۔ دلی کے ادبی ماحول سے یہ مغائرت تو دور ہو گئی مگر نجی زندگی میں سکون اور خوشی سے مغائرت جاری وساری تھی۔ اپنی شخصی انا کو بچانے کی سعی میں ہر جاننے والے کے مقروض ہو گئے تھے ان کا احساس اور ادراک شدید سہی مگر آلام روزگار سے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ کہاں خود پسندی اور انا پرستی کا یہ عالم کہ:

بندگی میں بھی وہ آزادہ وخود بیں کہ ہم
اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا

عملی زندگی میں بھی انانیت کی مثالیں ملتی ہیں کہ جب برطانوی حکومت کے سیکرٹری کے پاس ملازمت کی غرض سے گئے تو مناسب استقبال نہ ہونے کے باعث بغیر مدعا کہے واپس لوٹ آئے، مگر اس انا پر آلام و مصائب زندگی نے ایسی چوٹ لگائی کہ پھر حکام بالا کی مدح وستائش بھی کی اور منت سماجت بھی۔ کوثر چاندپوری لکھتے ہیں:

> غالب اپنے مزاج، اور تاریخی پس منظر کے لحاظ سے اپنی تمام تر خود داری، انانیت اور انفرادیت کے باوجود اصل شخصیت کے اعتبار سے انفعالی رہے۔ وہ اپنے سماج سے نہیں لڑ سکے اور نہ صرف شاعرانہ بلکہ انسانی خود داری کو بھی برقرار رکھنے میں کامیاب نہ ہوئے۔[۴]

برصغیر میں مسلمانوں نے آٹھ سو سال تک حکومت کی۔ نسلوں سے حکم چلانے والے حکم کے بندے بن گئے تھے۔ مگر حالات کے ساتھ مفاہمت ان کے وقت کی سب سے بڑی ضرورت تھی۔ جب پورے معاشرے میں مفاہمت اور مصالحت کی فضا تھی تو غالب کے لئے بھی محض اپنی انانیت کو لے کر منفرد رہنا مشکل تھا۔ کیونکہ شخصیت میں عزم واستقلال کی موجودگی کے باوجود معاشرے کے مروجہ دھارے سے مخالف سمت میں چلنا فرد واحد کے لئے ممکن نہیں۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 4, (Oct to Dec 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-IV)urdu-26

ماخذ تحقیقی مجلہ

تاب لائے ہی بنے گی غالب
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

انا کی مات شخصیت کو تشنگی، محرومی اور احساس شکست سے دوچار کر دیتی ہے۔ غالب کے عہد کا بادشاہ، علامتی بادشاہ تھا، تمام محرومی اور احساس شکست کے باوجود ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ برپا ہونے تک بھی اس کی علامتی انا اور نام نہاد خودداری بنی رہتی ہے۔ وہ انگریز بہادر کے گورنر کو اپنے برابر کرسی پر بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس سے ملاقات کے لئے آنے والے کمپنی کے افسران بالا ایک مخصوص مقام پر گھوڑے سے اتر کر پاپیادہ اس کے دربار میں آتے ہیں۔ جبکہ اندر سے یہ ریت کی کھوکھلی دیوار آہستہ آہستہ گرتی جارہی ہے۔ پورا عہد اسی اذیت سے دوچار ہے اور اسی کھوکھلے پن کا شکار ہے۔ ایسے میں تخلیق کار خارج کے ساتھ مفاہمت میں اپنے اندر کے ہیجان کو محض اپنی تخلیقات میں سمو سکتا ہے۔ وہ سماج کو بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا غالب کے اس اظہار پر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں:

> خطوطِ غالب میں ایک رویہ تو حالات سے مفاہمت اور موقع کے مطابق کارروائی کرنے کا ملتا ہے۔ جو غالب کی معاملہ فہمی اور دور اندیشی کو ظاہر کرتا ہے۔ معاملے کو اس پہلو کے علاوہ خطوط غالب میں حالات و واقعات کے بارے میں ذہنی رد عمل بھی ملتا ہے۔ جس کا تعلق محض غالب کی ذات سے نہیں بلکہ ان کے اجتماعی ماحول سے تھا۔ اس ذہنی ردِ عمل سے ہم غالب کے اجتماعی احساس کا اندازہ کرسکتے ہیں۔[۵]

جو چاہیے نہیں وہ میری قدر و منزلت
میں یوسف بہ قیمت اول خریدہ ہوں

.....

نہ گل نغمہ ہوں، نہ پردۂ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز

غالب چونکہ جامد عقیدے کا انسان نہیں۔ ان کے اندر حالات نے ایک ہیجانی جذبہ پیدا کر دیتا تھا جس کی حدت وقت کے ساتھ ساتھ فزوں تر ہوتی جارہی تھی۔ ان کی فہم و ادراک نے ان کے اندر آزاد روی اور آزاد خیالی پیدا کی۔ فلسفے کا "کیوں" کے لفظ سے شروع ہونے والا سفر انسان کو مسلسل ایک ذہنی ریاضت میں مبتلا رکھتا ہے۔ شوق، جستجو اور لگن اس سفر کے آلائے کار ہوتے ہیں چونکہ کسی شے کی حقیقت کی تلاش ہی زندگی کا مقصد ہے۔ اسی

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 4, (Oct to Dec 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-IV)urdu-26

ماخذ تحقیقی مجلہ

حقیقت کی تلاش میں غالب اپنے پورے عصر سمیت سر گرداں دکھائی دیتا ہے۔ اس لئے اقبال بھی ان کے لئے لکھتے ہیں:

فکر انساں پر برتری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پر مرغ تخیل کی رسائی تا کجا

گرد و پیش میں سر گرم ہنگامے کائنات پر غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ انسان خدا اور انسان کے تعلق کی نوعیت کو جاننا چاہتا ہے۔ بار بار اپنی عقل و فہم کی حدوں کو آزماتا ہے۔ وہ کائنات اور خدا کی وسعتوں میں اپنی ذات کا مقام اور تعلق جاننے کی سعی کرتا ہے اور پھر کہتا ہے:

یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

غالب کی اسی ذہنی ریاضت کے باعث ان کے فن نظر و نثر میں جدت، تنوع اور انفرادیت آجاتی ہے۔ دراصل یہ تمام ارتقا کی منازل ہیں۔

بظاہر غالب کی زندگی کے دورانیے میں غدر سے پہلے اور غدر کے بعد برصغیر کی سیاسی فضا پر سکون دکھائی دیتی ہے۔ مگر اندر ہی اندر جاگیر دارانہ نظام کو ختم کرنے کی سعی سے گرد و پیش کے ماحول میں اقتصادی پہلو کو لے کر عدم اطمینانی اور بے چینی کی صورت حال تھی۔ اس ہیجان آمیز حالت نے ہر ذی فہم کو اسی ذہنی ریاضت میں مبتلا کر دیا جس کی ایک مثال غالب بھی تھے۔ ان نامساعد حالات نے مروجہ حقائق اور اقدار کو مشکوک بنا دیا تھا۔ غالب کے فن نظم و نثر میں نظر انے والے گوناگوں کیفیات پورے عہد میں جاری و ساری نظر آتی ہیں۔

جہاں بیک وقت کئی طرح کی تحاریک سر گرم عمل تھی۔ شاہ اسماعل شہید کے پیرو کار احیائے دین و مذہب کے لئے کوشاں تھے۔ یہ اصلاحی تحریکیں معاشرے میں اکبر کے دور سے پیدا ہونے والے مذہبی اور اخلاقی بگاڑ کو درست سمت دینے کی کوشش میں مصروف تھیں۔ فضل الحق خیر آبادی جیسے رہنما ملت اسلامیہ کی عظمت رفتہ کو زندہ کرنے کے لئے جغرافیائی حدود سے ماوراء ہو کر جدوجہد کر رہے تھے۔ جبکہ تیسری اہم تحریک اس روشن خیالی کی تھی۔ جس کے تحت سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء قوم و ملک کو جدید عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے میدان عمل میں اُتر چکے تھے۔ زندگی کے اس تحریک کے باعث ان ناقدین کی اس رائے کو رد کر دیا جاتا ہے۔ جو کہتے ہیں کہ غالب کا عہد ذہنی جمود و یا تعطل کا دور تھا۔ جبکہ اس دور میں ادب، مذہب اور سیاست میں کئی ہنگامے

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 4, (Oct to Dec 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-IV)urdu-26

ماخذ تحقیقی مجلہ

سر گرداں تھے۔ یہ الگ بحث ہے کہ یہ تحریکیں سماج میں کس سطح تک تبدیلی پیدا کر سکیں۔ غالب اور اس کے عہد کا یہ تحریک آمیز رویہ سماج میں کسی بڑی تبدیلی کا پیش خیمہ نہ بن سکا۔ البتہ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی نے ان نیم جان تحریکوں کو مردہ کر دیا۔ وقتی طور پر تمام ہنگامے سرد پڑ گئے۔ ان سرد پڑتے ہنگاموں کی راکھ میں سے صدائے احتجاج کسی دبی ہوئی چنگاری کی طرح سر اٹھاتی دکھائی دیتی ہے۔

ظلمت کدہ میں میرے شب غم کا جوش ہے
اِک شمع ہے دلیل سحر، سو خموش ہے

اے تازہ واردان بساط ہوائے دل
زنہار، اگر تمہیں ہوس نائو نوش ہے
دیکھو مجھے، جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو، جو گوش نصیحت نیوش ہے

بے بسی کے اس احساس کا اظہار غالب کے خط سے دیکھئے:

> کیا کروں میرا دست قدرت پتھر کے نیچے آیا ہوا ہے۔ کتنے نالے ہیں کہ خوفِ رسوائی سے میرے لبوں تک نہیں آتے کہ آرزوئے دل کا خون ہو سکے اور کتنی امواج خون ہیں کہ درد بے کسی کے باعث اشکوں کی شکل میں آنکھوں سے باہر نہیں آسکتیں۔[۶]

غالب کے لئے دلی کی ادبی فضا میں موافقت نہ تھی۔ اس ادبی مغائرت سے جان چھڑانے کے لئے وہ مروجہ رجحانات کی طرف بھی مائل ہوئے مگر دوسری طرف دنیاوی زندگی میں مصائب و آلام میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ تمام بچے کھچے خاندانی اثاثوں کو بیچ کھانے کے بعد ان کا واحد ذریعہ معاشی ان کی خاندانی پنشن تھی۔ اس میں بھی حاکم وقت نے پہلے کمی کی اور بعد میں یہ پنشن بند کر دی گئی۔ اس بندش نے انہیں مالی مشکلات سے دوچار کر دیا تھا۔ اسی پنشن کی بحالی کے سلسلے میں ۱۸۲۶ء یا ۲۷ میں کلکتہ گئے۔ کلکتہ کا سفر ان کے ذہنی ارتقا کا بڑا اہم موڑ ہے جہاں ان پر ایک نئی دنیا آشکارا ہوتی ہے۔ کلکتہ میں قیام کے دوران ہی ان کا نیا تخلیقی نقش "گل رعنا" شائع ہو گیا تھا۔ اس سے مزاج میں خود اعتمادی پھر عود کر آئی۔ کلکتہ میں ادبی فضا کا حصہ بننا چاہا تو وہاں کے ایک مخصوص حلقے کی لسانی معارضت کے باعث دل برداشتہ ہو گئے۔ وہاں سے جب تین سال بعد واپس دہلی آئے تو اردو کلام سے بالکل پہلو تہی کر لی۔ دوبارہ اسی فارسی زبان کی طرف مائل ہو گئے۔ جس کے سرپرست مغل حکمران اپنی تمام عظمتوں سمیت

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 4, (Oct to Dec 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-IV)urdu-26

ماخذ تحقیقی مجلہ

چراغ سحری بنے ہوئے تھے۔ ماحول میں مغلیہ عظمت ماضی کا حصہ بن چکی تھی اور نئی تہذیب سے آشنائی بڑھنے لگی تھی۔ غالب بھی نئی تہذیب کو سراہتے دکھائی دیتے ہی۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے سر سید احمد خاں کی درخواست پر جب " آئینِ اکبری" کی تقریظ لکھی تو اس میں آئین اکبری کو قصہ پارینہ کہا۔ عہد رفتہ کے آئین کے بجائے نئے آئین حیات کو اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر مجھ سے آئین کے سلسلے میں دریافت کرتے تو میں کہتا کہ اس کہن سال دنیا کو آنکھیں کھول کر دیکھو اور صاحبان انگلستان کی طرف نظر کرو اور ان کے طریق اور انداز کو سمجھو۔

تاچہ آئینہ ابدید آوردہ اند
انچہ ہر کسی ندید آوردہ اند

وہ کیسے کیسے آئین کو بنانے والے ہیں اور کیسی چیزیں لائے ہیں جن کو پہلے کسی نے نہیں دیکھا۔ مگر خود اپنی پرانی روش پر واپس آگئے۔ شاید یہ لاشعوری طور پر احتجاج کا طریقہ تھا یا عظمت رفتہ کی آخری علامت کو بچانے کی آخری بے سود کوشش۔

مرزا نے کلکتہ سے واپس آکر نثر اردو میں لکھنی شروع کر دی تھی۔ شعر البتہ فارسی میں ہی کہے۔ شاعری محدود ہو گئی۔ مگر نثر اردو میں جاری رہی۔ بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے استاد مقرر ہوئے۔ اور شاہ نے انہیں مغلیہ خاندان کی تاریخ لکھنے پر بھی مامور کر دیا۔ غالب کے لئے فضا کچھ معتدل ہو گئی۔

بنا ہے شاہ کا مصاحب، پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے؟

۱۸۵۷ء کے ہنگامے شروع ہونے سے پہلے ہی غالب نے شعر کہنا بند کر دیئے تھے۔ شاید اس داخلی و خارجی کشمکش کے دور میں غالب جیسے حساس شخص میں اس داخلی نظم میں کمی آگئی تھی جو شاعری کے لئے درکار ہوتا ہے۔ انگریز کی عملداری میں سکون اور امن تھا۔ برصغیر کے لوگ مژدہ حیاتِ نو سے متاثر ہو رہے تھے۔ ۱۸۳۷ء میں دہلی سے لیتھیو گرافی کے ذریعے طباعت کا مطبع قائم ہوا اس کی بدولت اردو زبان کی اشاعت و ترویج میں خوب مدد ملی۔ ۱۸۵۳ء میں پہلی ریلوے لائن بھی بچھادی گئی۔ دخانی جہازوں کی آمد و رفت اس سے بھی پہلے شروع ہو چکی تھی۔ سستی ڈاک کا نظام متعارف کروایا گیا۔ ۱۸۵۵ء میں تار برقی کا بھی آغاز ہو گیا۔ غالب کے لئے برصغیر کے اس عہد جدید میں سب سے بڑی نعمت سستی اور تیز رفتار ڈاک کا انتظام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غالب کی خطوط نویسی جاری و ساری

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 4, (Oct to Dec 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-IV)urdu-26

ماخذ تحقیقی مجلہ

رہی اور ان خطوط کے ذریعے وہ ادبی، مذہبی، سیاسی اور ہر طرح کے دیگر موضوعات پر اپنے احباب سے گفتگو کرتے رہے ان کے خطوط میں اس دور کی تمام سماجی اور سیاسی تاریخ سمٹ آئی ہے۔ یہاں تک کہ محققین نے غالب کی سوانح حیات کو ان خطوط سے کھوج نکالا اور از سر نو مرتب کر دیا۔

ان خطوط نے جہاں اردو ادب میں جدید نثر کی بنا ڈالی۔ وہیں وہ اپنے عہد کے رویوں کے ترجمان بھی ہوئے۔ غالب نے وہ تمام القاب و آداب اور شاہی روشیں یک قلم رد کر کے بے تکلفانہ انداز اپنایا۔ یہ وہ دور تھا جب انگریز نے مغلیہ خاندان کے آخری ورثاء سے اپنے سرکاری القاب و آداب اور اعزازات سے دست بردار ہونے پر اصرار کیا۔ صدیوں سے شاہانہ عظمت کی منادی کرنے والے خواص کو عوام کی سطح پر لا کھڑا کیا۔ ایسے میں غالب نے بھی محسوس کیا کہ یہ القاب و آداب سب فضول ہیں۔ وہ بھی ان سے دست بردار ہو گئے۔

غالب کے سب سے یادگار خطوط وہ ہیں جو مئی ۱۸۵۷ء سے پہلے اور بعد میں لکھے گئے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے وقت انہوں نے اپنے آپ کو گھر میں مقید کر لیا تھا۔ وہ ہوا کے رُخ کو بھانپنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ساٹھ سالہ دور پر غالب ان دنوں کی تحریر میں الگ ہی دکھائی دیتا ہے۔ ''دستنبوہ'' ان دنوں کی یادگار ہے۔ جنگ کے خاتمے کے بعد جس کو اپنی وفاداری اور غیر جانبداری کے ثبوت کے طور پر انگریز کو پیش کر دیا گیا۔ اس تصنیف میں غالب نے انقلابیوں کو برا بھلا کہا ہے اور انگریز کے قتل پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ یہ وہی خود غرضی ہے جو پورے ماحول میں سرایت کر گئی تھی۔ غدر کے بعد انگریز کے عذاب سے بچنے کے لئے ہر کوئی ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ سو غالب نے بھی اپنی سی کوشش کی۔ مگر ان کی اس کوشش کے بارے میں روسی نقاد اور محقق نتالیا پری گارینا کی رائے کو ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے پیش کیا ہے:

> ''دستنبوہ'' (یعنی گل دستے یا عطر دان) کا مقصد یہ تھا کہ فرماں روائوں کے ہاتھوں میں پہنچ کر وہ ان کے مشام جاں کو معطر کرے اور بغاوت کے زمانے میں شاعر کی وفاداری کا ثبوت فراہم کرے تاکہ وہ پنشن کی بحالی کی امید پھر سے باندھ سکے۔ غالب اس طرح یہ کوشش کرتے ہیں کہ نو آبادیاتی حکومت کی تیز رفتار گاڑی کے نیچے آ کر کچلے جانے سے خود کو بچالیں لیکن ان کے اس گل دستہ رنگ و بو سے خون اور جلا کر راکھ کر دینے والی بستیوں کی بو آتی ہے۔[۷]

5 دسمبر ۱۸۵۷ء کو منشی ہر گوپال تفتہ کو لکھتے ہیں:

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 4, (Oct to Dec 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-IV)urdu-26

ماخذ تحقیقی مجلہ

مفصل حالات لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ ملازمانِ قلعہ پر شدت ہے۔ باز پرس اور دار دگیر میں مبتلا ہیں۔[۸]

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:

یہ کوئی نہ سمجھے کہ میں اپنی بے رونقی اور تباہی کے غم میں مرتا ہوں۔ جو دکھ مجھ کو ہے اس کا بیان تو معلوم مگر اس بیان کی طرف اشارہ کرتا ہوں انگریز کی قوم میں سے جو ان روسیاہ کالوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے ان میں کوئی میرا امید گاہ تھا اور کوئی شفیق اور کوئی میرا دوست اور کوئی یار اور کوئی میرا شاگرد۔ ہندوستانیوں میں کچھ عزیز، دوست، کچھ شاگرد، کچھ معشوق سو وہ سب خاک میں مل گئے۔ ایک عزیز کا ماتم کتنا سخت ہوتا ہے جو اتنے عزیزوں کا ماتم دار ہو اس کی زیست کیوں نہ دشوار ہو۔[۹]

غالب کی زندگی کی جس ڈرامائی کیفیت کا آغاز میں ذکر کیا گیا تھا۔ وہ انہی تمام حوادث کے باعث ڈرامائی کیفیت رکھتی ہے۔ اس کی ذاتی محرومیوں کے علاوہ ایک عظیم تہذیب کے رفتہ رفتہ مٹنے اور اس کی جگہ تہذیب نو کے اُبھرنے کے مراحل غالب نے خود جھیلے۔ برصغیر کی سرزمین پر ہونے والا تاریخی معرکہ (یعنی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی) خود دیکھا۔ اس طوفان سے پہلے کی خاموشی اور طوفان گزر جانے کے بعد کی تباہ کاریوں کو اپنے نفس پر جھیلا۔ وہ اپنے گوناگوں مشاہدات، تجربات اور تاثرات کو اپنے فن میں پیش کرتا ہے حالات کی تلخی اسے جھنجھلا دیتی ہے۔ کبھی ذاتی آرام و مصائب اس میں بے بسی اور محرومی کا احساس پیدا کر دیتے ہیں۔

غالب کا فن خصوصاً نثر کی شکل میں اپنے عہد کے سیاسی، معاشی، تہذیبی اور تمدنی احوال و کوائف کو پیش کرتا ہے۔ اس کی شخصیت اور اس کا فن اس لئے بھی اہمت کا حامل ہے کہ وہ عظیم مغلیہ سلطنت کی تہذیب کا آخری ترجمان ہے۔ رُوبہ انحطاط اس تہذیب کے مسمار ہوتے ڈھانچوں کے ہر عکس کو اپنے لفظوں میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ اس نے ماضی کی روایت کو لفظوں میں ڈھال کر ناپید ہونے سے بچالیا۔ چونکہ وہ اسی شکست خوردہ تہذیب کے پروردہ اور دلدادہ تھے اس لئے جب وہ اپنے انفرادی کرب و ملال کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں بھی ان کے عصر کی روح پکارتی دکھائی دیتی ہے۔ وہ الفاظ کے آئینے میں اپنے سماج کی تصویر اتارتا ہے۔ جہاں اس کے قیام و طعام، رسم و رواج، لباس اور خوشی و غمی کے سارے رنگ بھی دکھائی دیتے ہیں۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 4, (Oct to Dec 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-IV)urdu-26

ماخذ تحقیقی مجلہ

غالب ایک ایسا مجتہد بھی ہے۔ جس نے اپنی وسیع جولان گاہ تخیل اور زبردست قوت تخلیق سے کہنہ روایات سے اپنے آپ کو اس طرح الگ کیا کہ اقلیم فکر و فن سے استفادہ تو کیا مگر خود کو اس مروجہ دھارے کے رحم و کرم پر نہ چھوڑا۔ وہ جدت پسند ہے۔ تو معاشرے میں آنے والی مثبت تبدیلی کو فراغ دلی سے قبول کرتا ہے۔ اگر اس کے عہد کو اس کے پس منظر میں دیکھا جائے تو افراد معاشرہ مغلیہ دور حکومت کے آخری بہترین دور (اورنگزیب عالمگیر کی وافت تک ۱۷۰۷ء) کے بعد چاروں اطراف سے آنے والے حملہ آوروں سے تنگ آچکے تھے۔ جوں جوں برصغیر میں انگریز کی عملداری بڑھتی جارہی تھی ہر طرف سکون اور امن ہوتا جارہا تھا۔ داخلی سطح پر اگرچہ غالب کی طرح ان کے عہد کے اندر بھی عظمت رفتہ کی یاد جاگزیں رہی مگر تازہ ہوا کے جھونکے کی مانند تہذیب جدید کو بھی اپنایا گیا۔

مذکورہ بالا تمام بیانات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ غالب اپنے عہد میں جیتا رہا اور اس کا عہد اس کے فن میں زندہ ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اگرچہ سماجی تصورات بھی تاریخی قدر بن کر قصہ پارینہ ہو جاتے ہیں مگر نفس انسانی کی ترجمانی کرنے والا ادبی کارنامہ کسی تغیر کی زد میں نہیں آتا۔ سماج میں انسان کی ترقی اور آزادی کی خواہش ایسی قدیمی پختہ سماجی روایت ہیں جو ہر دور میں اپنا وجود اور مقام برقرار رکھتی ہیں۔ چنانچہ غالب جیسے فنکار ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر شارب ردولوی، جدید ادو تنقید، اُصول و نظریات (لکھنؤ: اکیڈمی اترپردیش، ۱۹۹۴ء) اکیڈمی اُتر، ص ۳۳۰۔

۲۔ سجاد ظہیر، روشنائی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۶۸ء)، ص ۲۹۔

۳۔ شیخ محمد اکرام، حکیم فرزانہ (لاہور: فیروز سنز، ۱۹۵۷ء)، ص ۲۰۹۔

۴۔ کوثر چاندپوری، جہان غالب (لاہور: مکتبہ کائنات، ۱۹۶۶ء)، ص ۲۳۲۔

۵۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، محاسن خطوط غالب (لاہور: بزم اقبال کلب روڈ، ۲۰۰۳ ء)، ص ۱۷۔

۶۔ ڈاکٹر تنویر احمد علوی، اوراق معانی (دلی: اردو اکادمی، ۱۹۹۲ ء)، ص ۳۳۹۔

۷۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری، اُردو ادب کی تاریخ (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ ء)، ص ۶۹۵۔

۸۔ مولانا غلام رسول مہر (مرتب)، خطوط غالب (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۲۰۰۹ ء)، ص ۱۲۳۔۱۲۵۔

۹۔ ایضاً، ص ۱۳۰۔